جناب محمد اسد شہاب صاحب۔ جدّہ۔ سعودی عربیہ
مترجمہ۔ مولوی عمیر الصدیق، دریابادی۔ ندوی

روسی استشراق

جب استشراق اور مستشرق کے الفاظ کو مطلقاً بولا جاتا ہے تو ذہن مغربی یورپ اور امریکہ کے مستشرقین کی جانب منتقل ہو جاتا ہے۔ حالاں کہ استشراق پر کسی قوم یا حکومت کی اجارہ داری نہیں ہے۔ مشرقی یورپ کی کمیونسٹ حکومتوں اور روس کا بھی اس میں نمایاں حصہ ہے۔ یہاں کے لوگوں نے اسلامی امور و مسائل کی جانب جس قدر اعتنا کیا ہے، وہ کسی طرح مغربی یورپ اور امریکہ کے مستشرقین سے کم نہیں ہے۔

بہت سے عرب اور مسلمان مصنفین نے یورپی استشراق و مستشرقین کے بارہ میں کتابیں لکھی ہیں مگر روس یا مشرقی یورپ کے استشراق اور مستشرقین کے بارے میں بہت کم لکھا گیا ہے، اس مضمون میں روسی استشراق کی ابتدا اور نشوونما کا ذکر کیا جائے گا۔

استشراق کا دائرۂ کار اور طریقۂ عمل جدا جدا ہوتا ہے، مگر اس کا خاص رخ اور مطمح نظر مخصوص مصالح و مقاصد پر مبنی ہوتا ہے اس لیے اس کا معاملہ کبھی انفرادی اور کبھی اجتماعی ہوتا ہے۔ نیز کبھی وہ کسی حکومت کے زیر سایہ اپنے فرائض انجام دیتا ہے۔ ایسی صورت میں اس کے لئے مخصوص بجٹ بنایا جاتا ہے اور وہ کبھی اپنی حکومت کی ملکی و سیاسی مصلحتوں سے بے تعلق نہیں رہتا۔

پہلے زار روس اور اب کمیونسٹ روس کی وسط ایشیا میں کئی نوآبادیاں ہیں جیسے ازبکستان، تاجکستان، قزاقستان، ترکمنستان اور کرمینستان وغیرہ۔ یہ سب مسلم ریاستیں ہیں۔ جن کی مجموعی آبادی ایک سو بیس ملین سے کم نہ ہوگی۔ یہ تمام ریاستیں معدنی ذخائر، پٹرول اور زرعی پیداوار سے مالا مال ہیں۔ موجودہ روسی سامراج کی اہمیت ان ہی زرخیز ریاستوں سے وابستہ ہے۔ اگر یہ اس کے قبضہ سے نکل جائیں تو پھر روس کا کوئی وزن باقی نہیں رہ جائے گا۔

روس ایک سامراجی حکومت کی طرح ان ریاستوں پر حکومت کر رہا ہے اس نے اپنی داخلی و خارجی

سیاست کے استحکام کے لئے ان ریاستوں کو زیادہ اہمیت دینے کی پالیسی وضع کی ہے۔ اس لئے وہ ان ریاستوں کے مسلمانوں کی جانب خاص مبذول کئے ہوئے ہے۔ اور ان کے عقائد و افکار، تہذیب و ثقافت اور جذبات و میلانات کا بھی برابر مطالعہ کرتا رہتا ہے۔ تاکہ اس کی استعماری بھی سیاست بھی مضبوط و مستحکم رہے اور کسی بیرونی یا اندرونی مسلم مداخلت کا اندیشہ نہ رہے۔

روسی استشراق میں سیاسی مصالح کے تحت تغیر و تبدل بھی ہوتا رہتا ہے تاکہ وہ اپنی ان وسیع و عریض اور شاداب و زرخیز نوآبادیوں سے بیش از بیش فائدہ اٹھاتا رہے۔ دراصل روس استشراق کے معاملہ میں وہی طریقہ اختیار کئے ہوئے ہے جس پر ہالینڈ گامزن رہ چکا ہے۔ اس بنا پر وہ اپنی تحقیق و مطالعہ اور علمی اداروں کو ایسے ناموں سے موسوم کرتا ہے۔ جس سے اس کے اصل مقاصد پر پردہ پڑا رہتا ہے۔ اور کہیں سے یہ گمان بھی نہیں ہوتا کہ ان علمی و تحقیقی کاموں کے پس پشت کچھ دوسرے اغراض بھی ہیں۔ ہالینڈ نے تو استشراق کا لفظ بھی باقی نہ رکھا اور اس کے بجائے "اسلامی امور کی کونسل کا دفتر" نام رکھ کر اپنی استشراقی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ ناموں کے انتخاب میں روس نے بھی اسی اصول کو اپنایا۔ اس کے مختلف اداروں کے کچھ نام ملاحظہ ہوں۔

۱۔ معہد فنون شرقیہ (انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل آرٹس) ۲۔ مکتب شئون اسلامیہ (آفس آف اسلامک افیرز)۔ ۳۔ دار الافتاء۔ ۴۔ مشرقی علوم کے ادارے۔ ۵۔ جمعیۃ اتحاد العلوم۔ ۶۔ روس عرب فرینڈ شپ سوسائٹی ۷۔ معہد الدراسات العلیا للشئون الاسلامیۃ (انسٹی ٹیوٹ آف ہائر اسٹڈیز فار اسلامک افیرز) ۸۔ ادارہ دینیہ برائے امور اسلامی امور کے ماہرین اپنے کارنامے انجام دینے میں مصروف ہیں۔

۱۸۵۲ء میں زار روس نے روسی مستشرقین اور عربی زبان کے ماہرین کی ایک کمیٹی تشکیل کی جس کے بیشتر ارکان یہودی تھے۔ اس کمیٹی کا بنیادی اور اولین مقصد ان ضروری و لازمی وسائل کی فراہمی تھا جن کے ذریعہ بیت المقدس کو آزاد کرایا جائے اور فلسطین میں یہودی مہاجرین کو آباد کرا کے روسی وفد کے زیر انتظام ان کے مریضوں کے لئے شفاخانے قائم کئے جائیں۔ روسی نمائندوں نے بیت المقدس کو اپنا مرکز یہ کہہ کر بنایا کہ وہ وہاں روسی گرجا گھروں کی دیکھ بھال کریں گے۔ کیونکہ وہاں ایسے مسیحی بھی تھے جو روسی آرتھوڈوکس مسلک کے پیرو تھے۔ نیز ان کے زیر نگرانی مختلف انسٹی ٹیوشن تھے

۱۸۶۴ء میں روس نے اس کمیٹی کے ممبروں کا ایک وفد خفیہ طور پر فلسطین بھیجا تاکہ یہ لوگ وہاں کے یتیم خانوں، دوا خانوں اور ان یہودی زائرین کی رہائش گاہوں کا جائزہ لیں جو دیوار گریہ کی زیارت کے لئے پوری دنیا سے وہاں آتے ہیں۔

۱۸۸۲ء میں یہ کمیٹی ایک خود مختار سوسائٹی میں تبدیل ہو گئی۔ اس کا ایک بنیادی ضابطہ اصول بھی مرتب

مرتب ہوا، اس طرح ارتقاء کا ایک مرحلہ طے ہوا۔ یہ تبدیلی محض نام کی تبدیلی نہیں تھی بلکہ اب دائرۂ کار بھی وسیع تر ہوا۔ اور ایک معینہ مدت میں اس سوسائٹی نے فلسطین اور بعض دوسرے عربی ممالک میں سو سے زیادہ سکول قائم کر لیے۔ ان کے دروازے گو سب نوواردوں کے لیے کھلے تھے۔ لیکن اکثریت یہودیوں ہی کی تھی۔ ان اسکولوں کے نام قومی و وطنی ناموں پر تھے۔ ان میں زیر تعلیم طلبہ کی تعداد اس وقت دس ہزار سے بھی تجاوز کر گئی تھی۔

۱۸۸۳ء میں اس سوسائٹی نے سوسائٹی آف اسلامک اسٹڈیز کی حیثیت اختیار کر لی اور اپنا تعلق ماسکو یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات (اسلامک اسٹڈیز) سے قائم کر لیا۔ سوسائٹی نے اس مقصد کے لیے ایک خاص علمی باڈی کی تشکیل کی۔ جس میں اسلامی تحقیق و مطالعہ سے شغف رکھنے اور عربی و اسلامی تاریخ و ادب سے دلچسپی رکھنے والوں کو شامل کیا گیا۔

۱۸۹۱ء میں اس سوسائٹی نے ارکیولوجک مشن (لجنۃ اثریہ) کے نام سے عرب ملکوں کی زیارت کے لیے ایک وفد بھیجا تاکہ فلسطین میں قیام کر کے وہاں کے آثار قدیمہ کا جائزہ لے۔

اس وفد نے دمشق، بیروت، حمص، حلب، حماۃ، مشرقی طرابلس، بیت المقدس اور خلیل کا دورہ کیا اور ایک لمبی مدت تک بیت المقدس میں ان آثار علمیہ کی تحقیق و مطالعہ میں مصروف رہا۔ جن کا تعلق یہودیوں سے تھا۔ یہ یہودیوں کے قومی وطن کو منصۂ شہود پر لانے اور اسے تاریخی دلائل پر ثابت کرنے کی تمہید تھی۔ وفد اس موضوع پر اپنی مکمل رپورٹ اور دستاویزات کے ساتھ ماسکو واپس آیا اور آنے کے ساتھ ہی اس نے اسلامیات کے فضلاء و ماہرین کا ایک اجتماع کیا۔ اس میں روسی مستشرقین کی ایک سوسائٹی کی تجویز منظور کی گئی۔ اس سوسائٹی کو روس کی اکاڈمی آف سائنسز کا تعاون بھی حاصل ہوا۔ اس سوسائٹی میں مندرجہ ذیل روسی مستشرق شریک ہوئے۔

۱۔ ایف ایف بیلیفونیسکا ۲۔ ایف۔ ایس سیکوروف ۳۔ جے کراسکوفسکی ۴۔ اے این بوتشیف اور ایس پی ٹالسٹوف۔ آخر الذکر دونوں حضرات اکاڈمی آف سائنسز کے بھی ممبر تھے۔

روسی مستشرقین کی یہ پہلی سوسائٹی تھی جو سرکاری طور پر اکاڈمی آف سائنسز کے تابع تھی۔ اس سوسائٹی کا پہلا خاص مقصد عرب ممالک اور عرب قوم سے متعلق ہر چیز کا مطالعہ تھا۔ اس کے بعد پھر مسلمانوں کا دینی، معاشرتی، ثقافتی، تاریخی اور اقتصادی جائزہ لینا تھا۔

اکاڈمی آف سائنسز کے اہم فرائض میں یہ بھی تھا کہ وہ علوم اسلامیہ کے خصوصی ماہرین کو تیار کرے تاکہ وہ آئندہ روسی مستشرقین کی سوسائٹی میں داخل ہو سکیں اور ان کے اغراض و مقاصد میں ان کا ہاتھ بٹا سکیں۔

ان امور و مسائل پر روس نے مختلف اسباب و عوامل کی بنا پر اس قدر اہمیت دی ہے ان میں سے بعض یہ ہیں۔

۱۔ روس اور استنبول کی خلافت اسلامیہ کے درمیان پشتینی عداوت اور دیرینہ آویزش جس کی وجہ سے ترکی

وروس میں مسلسل جنگ بپا تھی۔

۲۔ روس کی اپنی مقبوضہ مسلم ریاستوں کی جانب سے بغاوت کا خطرہ۔

۳۔ روس کے توسیع پسندانہ عزائم جس نے اسے پڑوس کے دولت مند علاقوں کا حریص بنا دیا تھا۔ اور وہ بحر ابیض متوسط، خلیج عرب اور بحر عرب تک پہنچ جانے اور عالمی بحری گذرگاہوں پر قابو پانے کی فکر میں لگ گیا تھا۔

۴۔ وسط ایشیا میں مسلمانوں کو دبائے رکھنا تاکہ وہ بغاوت نہ کر بیٹھیں۔

۵۔ روسی سیاست کی طرف عالم اسلام کو متوجہ کر کے اس کے لئے ہمدردی اور تائید حاصل کرنا۔

ان اغراض کے پیش نظر روس نے عرب اور مسلمانوں سے متعلق ایک ایک چیز کی جانب اپنی توجہ مرکوز کی ہے۔

یہ سوسائٹی ۱۸۸۲ء میں قائم ہوئی تھی اس لئے اس نے ۱۹۷۲ء میں اپنے قیام کے نوے برس گذر جانے کا جشن منایا۔

یہ جشن انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز کے مرکز میں یکم مئی کو منایا گیا۔ یکم مئی کو روسی مزدوروں کی عید کے دن کی حیثیت حاصل ہے۔ اس موقع پر مستشرق ایس۔ ایل تیخفسکی نے جو سوسائٹی کے صدر بھی تھے۔ ایک جامع رپورٹ پیش کی۔ جس میں اس سوسائٹی کی نوے سالہ کارکردگی کا جائزہ لیا گیا تھا۔ اس رپورٹ میں جو چیز نہایت اہم ہے وہ اس بات کا اقرار ہے کہ اس سوسائٹی نے فلسطین میں یہودیوں کی تاریخی آثار کی حفاظت اور مرمت میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ سوویٹ روس نے روسی مفاد کے پیش نظر معاشی ترقی میں عربوں کے ساتھ قربت اور ہم آہنگی میں جو پیش رفت کی اس میں اس سوسائٹی کے کردار کو بھی اہمیت حاصل رہی۔ اس تقریب میں مستشرق کے بی اسٹارکوفا نے عالم اسلام کو اپنا موضوع بنایا۔ مستشرق ایم اے کورستوفتسیف نے مصر میں قدیم فرعونی مذاہب اور تعویذ و زیور سے ان کا تعلق، کے موضوع پر مقالہ پڑھا۔ مستشرق ایل۔ وائی ناری رادزی نے عرب و روس تعلقات تاریخ اور واقعات کی روشنی میں، کے عنوان سے مقالہ پیش کیا۔

یہ سوسائٹی مختلف اوقات میں سمیناروں، کانفرنسوں اور کانگریسوں کا اہتمام کرتی رہتی ہے۔ ان موقعوں پر پڑھے جانے والے تمام مقالات کی طباعت و اشاعت کا انتظام بھی اسی سوسائٹی کے ذریعہ ہوتا ہے۔

چند روسی مستشرقین کے نام اور عہدے

۱۔ بوبوجان غوروف، ہیڈ آف دی انسٹی ٹیوٹ ماسکو۔ ۲۔ بوغولوف، ماہر فقہ اسلامی۔ ۳۔ یو۔ بی۔ کایا، ماہر ادب عربی۔ ۴۔ گریزبیفنج، ڈائرکٹر انسٹی ٹیوٹ آف لینن گراڈ۔ اور ماہر ادب عربی و تاریخ اسلامی۔ ۵۔ خالیدوف، ماہر ادب عربی۔ ۶۔ غرونفسٹ، ماہر بلاغت و نحو۔ ۷۔ میخائیلوف ماہر ادب عربی۔ ۸۔ بیونوفسکی ماہر تاریخ یمن۔ ۹۔ یوشاکوف، ماہر سیاست و معاشیات ۱۰۔ سفینتلافا، ماہر ادب عربی و مذاہب۔ ۱۱۔ بردرروف، ماہر ادب عربی، مذاہب اسلامیہ و سیاسی تحریکات ۱۲۔ شوموسکی، ماہر جغرافیہ و علم البحار۔ ۱۳۔ کلیموفش ماہر فقہ و تاریخ اسلامی۔ ۱۴۔ نشانوف، ماہر فقہ اسلامی ——

۱۵- کلیموفیتش، سوسائٹی کے ترجمان کے مدیر اعلیٰ - ۱۶- بیلیاییف، اسی ترجمان کے علمی مدیر - ۱۷- اسلی نیفیا - ۱۸- پاریوسکایا ۱۹- تالیری ٹارسیس، ادیب و نقاد - ۲۰- ایلکنہ تڈ رسٹین وولپن، فلسفی اور شاعر - ۲۱- یوری بنشین - ۲۲- یوری غلاسوف، عربی زبان کے ادیب و انشا پرداز - ۲۳- یوری اسوف - ۲۴- فلادیمیر میکیسی موف، عربی زبان کے انشا پرداز - ۲۵- غنانزیوسیلوف - ۲۶- ایلینیا عروس - ۲۷- غیانلکاریو فیغوریلی - ۲۸- ینخفنسکی صدر سوسائٹی - ۲۹- کوروسفیتسیف، ماہر تاریخ عربی - ۳۰- نادرادیزی، علوم و تاریخ اسلامی کے پروفیسر - ۳۱- سافاروف - ۳۲- اسارکووا - ۳۳- میخائیل بیڈروف - ۳۴- گریگوری سرباٹوف۔

یہاں یہ ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ مستشرق میخائیل بیڈروف جو ایک یہودی الاصل اور صیہونی العقیدہ مستشرق ہیں، اصل میں کون ہیں؟ یہ دوسری جنگ عظیم میں روسی فوج کے ایک کیپٹن تھے۔ بعد میں یہ چیکوسلواکیہ میں فوج میں تربیت دینے چلے گئے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد روس نے ان کو ایک عرب ملک میں اپنا سفیر مقرر کیا۔ یہ انتہائی متعصب صیہونی مستشرق ہیں۔ روس سے یہودیوں کو فلسطین کی جانب منتقل کرنے کے پیچھے اصل دماغ انہی کا تھا۔ ۱۹۳۵ء میں انہوں نے "ارقون نداء لومی" نامی ایک جماعت قائم کی جو بعد میں اسرائیلی فوج کا ایک حصہ بنی۔

ادارہ اقوام ایشیا اس ادارہ کا مقصد بھی وہی ہے جو سوسائٹی کا ہے۔ البتہ یہ ادارہ ان تمام مقالات کو جو مستشرقین روس کا حاصل مطالعہ اور نتیجہ تحقیق ہوتے ہیں، جانچنے اور پرکھنے کے بعد کمیونسٹ پارٹی کی مجلس اعلیٰ کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اور انہی مقالات کی روشنی میں عرب اور اسلامی ممالک کے بارے میں روس کی خارجہ پالیسی اپنا طریقہ کار اختیار کرتی ہے۔ اس ادارہ کو نامور روسی مستشرقین کے تحت رکھا جاتا ہے۔ مثلاً افنی بلبلیف، فلاڈیمیر پوٹسکی، گریگوری سرباٹوف، یورس دایسنغ، فلاڈیمیر لیس بیولسکی۔ فرونیکا فوروٹیسا۔ اس ادارہ نے عرب ممالک سے متعلق چند کتابیں بھی شائع کی ہیں۔ مثلاً سوریا و لبنان (۶۴ء) جزیرہ عرب و خلیج (۶۵ء) عراق (۶۶ء) مصر (۶۷ء)۔ ان کتابوں میں مذہبی رجحانات، فقہی مسالک، عام عقائد، مذہبی اختلافات، لوگوں پر ان کے اثرات، حکومت اور سیاسی تعلقات پر ان مذہبی اختلافات کا اثر، حکومتوں کی خوبیاں اور خامیاں وغیرہ مباحث پر گفتگو کی گئی ہے۔ اسلامی حکومتوں کے کمزور پہلوؤں پر روس اپنی سیاست کو مرکوز کر دیتا ہے۔ مذہبی اختلافات کے پردہ میں روس کا یہ طرز عمل رہا ہے کہ وہ مذہبی جذبات اور دینی احساسات کو برانگیختہ کرنے والے پروگرام اس طرح مرتب کرتا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان اختلافات کی آگ شدید ہو۔ یہ سب اس خوش اسلوبی سے انجام دیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کو اس کی خبر تک نہیں ہو پاتی۔ باہمی اختلافات اور دشمنی بڑھنے کی وجہ سے روس کے لئے یہ آسان ہو جاتا ہے کہ وہ ایسے حلقوں میں اپنا اثر و رسوخ بڑھائے اور بزعم خود نئے انقلاب پسند طبقہ "رجعت پسندوں کے مخالف افکار کو ان حلقوں کے فکر و عمل کی زینت بنائے۔

لینن گراڈ کا کتب خانہ روس میں جتنے کتب خانے ہیں وہ سب استشراقی سوسائٹی سے تعاون کرتے ہیں۔ مشہور کتب خانوں میں لینن گراڈ کا کتب خانہ ہے۔ یہ اسلامیات کے بارہ ہزار مخطوطات پر مشتمل ہے۔ خوش قسمتی سے یہ کتب خانہ کمیونسٹوں کے قبضہ کے وقت ان کے دست برد سے محفوظ رہا۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ جب بربادی کے بعد اتنی بڑی تعداد محفوظ رہی تو وہ کس قدر نایاب اور وافر ذخیرہ کتب رہا ہوگا جسے سپرد آتش کر دیا گیا۔ مخطوطات کے علاوہ مطبوعات کی بھی ایک بڑی تعداد اس کتب خانہ میں ہے۔ جن میں عالم اسلام اور غیر عالم اسلام میں ہر زبان میں چھپنے والی کتابیں شامل ہیں، روسی قوم کو ان کتابوں کے مطالعہ کی اجازت نہیں ہے لیکن مستشرقین کو ان کتابوں سے مراجعت اور استفادہ کا حق حاصل ہے۔

مستشرق گریگوری سربٹوف کے بیان کے مطابق تاشقند کے کتب خانہ میں اس وقت اسی ہزار اسلامی کتابیں ہیں جن میں مخطوطات اور مطبوعات دونوں شامل ہیں۔ یہ کتابیں عربی، فارسی اور ترکی زبانوں میں ہیں۔ صرف عربی کتابوں کی تعداد پندرہ ہزار سے کم نہیں۔ روسی مستشرقین کی محنت اور اسلامیات سے ان کے گہرے شغف کے نتیجہ میں سوسائٹی کی ازبکستان شاخ نے کئی اسلامی کتابوں کو ۵۴ء سے ۶۱ء تک روسی زبانوں میں منتقل کیا اور یہ عمل اب بھی جاری ہے۔

مسلمانوں کے بارے میں روس کی پالیسی دوہری ہے۔ اندرون ملک مقبوضہ مسلم ریاستوں کے بارہ میں اس کا طرز عمل اس طرز عمل سے قطعی مختلف ہے۔ جو وہ دوسرے ممالک کے ساتھ روا رکھتا ہے۔ اپنی مقبوضہ مسلم ریاستوں میں وہ تشدد اور بیخ کنی کا رویہ اپناتا ہے۔ لیکن ان اسلامی ممالک میں جہاں اس کا نفوذ اور غلبہ نہیں۔ وہ حکومت وقت کے خلاف ہر تحریک کی تائید کرتا ہے۔ تخریبی کی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے وہ ان تحریکوں کو مادی فلسفہ سے نہ صرف روشناس کراتا ہے بلکہ گرویدہ بھی بنا دیتا ہے۔ مذہبی اختلافی مسائل کو نمایاں کر کے وہ نئی نسل کو جو ان اختلافات کی سطحیت سے تنگ آ چکی ہوتی ہے یہ باور کرانے میں کامیاب ہو جاتا ہے کہ اس قوم کے پرانے نظریات' قومی و وطنی مصلحتوں کے لئے ضرر رساں ہیں۔ اسلامی نظریات کو جامد اور بے جان ثابت کرنے کی کوشش کے بعد بسعد نئی نسل کے سامنے اشتراکیت اور سعادت کی ضامن قومیت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں۔

سوویت روس کی پالیسی آماجگاہیں　　ایشیا اور افریقہ دونوں جگہ ہیں۔ روس کو یقین ہے کہ اپنے سارے امکانات اور وسائل کے ساتھ وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوگا۔ ان سارے منصوبوں کی بنیاد دراصل انہی جائزوں پر ہوتی ہے جن کو روسی مستشرق پیش کرتے ہیں۔

خوبصورت اور شہد آگیں ناموں کے لیبل کے ساتھ سوسائٹی اپنے ان کاموں کو پیش کرتی ہے مثلاً کلمة البحث العلمي' الدراسات التطبيقية وغیرہ علمی تحقیقات اور معروضی مطالعات کے یہ

بیں محض فریب کے لئے ہوتے ہیں۔ حقیقت میں یہ اسلامی قوموں کے لئے زہریلے اور خطرناک مواد سے پُر ہوتے ہیں مثلاً مستشرق کلیموویش کی کتاب جس کا نام الاسلام نشوۃ ومستقبلہ ہے اس میں ایک جگہ وہ لکھتے ہیں

"قرآن کی وہ رائیں جو کائنات، زمین اور انسان کے بارہ میں ہیں بالکل ابتدائی ہیں۔ اور سائنس کے منافی ہیں"۔

اس قسم کے بے بنیاد دعووں سے لبریز ان تحقیقات میں صرف الفاظ کی کھتونی ہوتی ہے۔ علمی متانت سے بے نیاز، استہزا، تحقیر، آسمانی مذاہب پر بہتان اور عیب جوئی اور خردہ گیری کی کثرت ہوتی ہے اور اسلامی شخصیتوں کے لئے صرف حقارت آمیز الفاظ ہوتے ہیں۔

روس کی اکاڈمی آف سائنس نے مشرقی ادب کے مطالعہ میں تخصیص کے لئے بھی ایک ادارہ قائم کیا ہے۔ اس ادارہ میں مشرق کے قصوں، کہانیوں، افسانوں، دیومالائی واقعات، قومی روایات اور فنون لطیفہ کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ اس ادارہ کے ذمہ دار یہی مستشرق ہوتے ہیں۔ یہ ادارہ روسی مستشرقین کی تالیفات کو روسی مفاد کے مطابق ترکی، عربی، فارسی، ہندی، اردو اور چینی اور دوسری زبانوں میں شائع کرتا ہے۔ کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی خاص ملک کے حالات کے مطابق صرف اسی ملک کی زبان میں وہ کتاب شائع کی جاتی ہے۔ دوسری زبانیں اس کتاب کی قدروقیمت سے محروم رکھی جاتی ہے۔ کلیموویچ کی کتاب جس کا ذکر اوپر آچکا ہے اسی ادارہ نے شائع کی ہے۔

روسی استشراق کی سیاست منزل بہ منزل

روسی استشراق نے اپنے محدود منصوبوں میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد اپنی سرگرمیوں کو تیز تر کرنے کا پروگرام بنایا۔ اور مختلف سیمیناروں، کانفرنسوں کے ذریعہ انہوں نے اپنی اشاعت کے نئے طریقے اپنائے۔ یہ سیمینار وغیرہ وسط ایشیا کے شہروں میں خاص طور سے منعقد کرائے گئے کہ وہاں اسلام کا نام اب بھی باقی ہے۔

صدی کی سترویں دہائی میں ماسکو میں ایک عالمی مذاہب کانفرنس ہوئی جس میں تمام مذاہب کی ممتاز شخصیتوں کو مدعو کیا گیا۔ مقصد یہی تھا کہ دنیا کے سامنے جو یہ کہتے ہیں کہ روس آسمانی مذاہب سے برسرپیکار ہے، یہ ثابت کیا جائے کہ روس مذاہب سے جنگ نہیں کرتا۔ بلکہ وہ آسمانی مذہبوں کی حمایت کرتا ہے جس کی دلیل یہ کانفرنس ہے اس کانفرنس کے بعد تاشقند میں ایک اسلامی کانفرنس منعقد ہوئی۔ ۷۰ء میں ازبکستان میں مشہور مسلمان فلسفی فارابی کی یاد میں ایک بڑا جشن منایا گیا۔ ایک جشن ابن سینا کی یاد میں بھی منایا گیا۔

قزاقستان میں وسط ایشیا کے مسلمانوں کے دینی ادارہ کی تاسیس کے تیس سال گذر جانے پر ایک جشن کا اہتمام کیا گیا۔ امام بخاریؒ کی یاد میں بھی محفل جشن منعقد ہوئی۔ ان تمام جلسوں، کانفرنسوں اور سیمیناروں میں روس کی دعوت پر عالم اسلام کی ممتاز شخصیتیں شریک ہوتی رہیں۔ سوسائٹی کی ہدایات پر عمل پیرا روس نے بعض مسلمانوں کا اعتماد بھی حاصل کر لیا تھا کہ اسلام کمیونسٹ نظام حکومت کے سایۂ عاطفت میں خیر و عافیت سے ہے اور یہ کہ

مسلمان روس میں آزاد و خود مختار ہیں۔ کانفرنسوں اور سیمیناروں میں شریک ہونے والے مندوبوں سے بھی اس کی شہادت دلائی گئی۔ روس ان موقعوں پر یہ بھی اعلان کرتا رہا کہ وہ اسلامی آثار و باقیات کی نگہبانی و حفاظت کرکے روس میں اسلام کا نام زندہ کئے ہوئے ہے۔ نیز وہ مساجد و مقابر کی مرمت میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتا چنانچہ امام بخاریؒ و امام ترمذی کی دیکھ بھال بھی اس نے کرائی ہے۔

انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز کی طرف سے ایک ماہوار رسالہ "سائنس اور مذہب" کے نام سے شائع ہوتا ہے۔ اسے روسی مستشرقین کی اکثریت کا قلمی تعاون حاصل ہے۔ اس رسالہ کے پہلے شمارہ میں اس اسلامی انسٹی ٹیوٹ کے دستور و اغراض و مقاصد یہ تحریر کئے گئے ہیں:

۱۔ مسلمانوں کے درمیان سے روحانی معنویت کو کمزور کرنا ان کو ان کے عقائد سے دور کرنا اور ایسے افکار و نظریات کو نشو و نما دینا جو ان کے دین میں شک و شبہ پیدا کردیں۔

۲۔ مسلمانوں میں دل کش مادی چیزوں کو خوبصورت اور جاذب اسلوب میں پیش کرکے فساد پیدا کرنا اور ایسی صورت حال پیدا کر دینا کہ وہ اشتراکیت کے حلقہ بگوش ہونے کے لئے خود بخود آمادہ ہو جائیں۔ ان دونوں مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے اس نے جو اسباب و وسائل اختیار کئے وہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

اسلامی تعلیمات و نظریات کو قدیم، فرسودہ اور بوسیدہ ثابت کیا جائے۔ اور اس طرح یہ ظاہر کیا جائے کہ سائنس کے دور میں ان نظریات کا زمانہ کے قدم بہ قدم چلنا ممکن نہ رہا۔ اشتراکی نظریہ اور اس کے مادی فلسفہ کی تائید میں خود مسلمان علماء و زعما کے اقوال پیش کئے جائیں کہ تنہا یہی فلسفہ انسان کی خوشحالی کا ضامن ہے اور ان مذہبی اختلافات سے بچاتا ہے جو انسانیت کے لئے مضر اور مسلمانوں کو پسماندگی کی جانب لے جانے والے ہیں۔ اسلام سے پہلے کے تہذیبی ورثہ کا احیا اس طرح کیا جائے کہ اس تہذیب پر فخر کیا جا سکے اور ہر اس شخص کی تائید کی جائے جو اسلام سے پہلے کے تہذیبی ورثہ کے احیاء کا کام کرتا ہو ایسے مصنفین کی کتابیں خرید کر انہیں تقسیم کے لئے دوسری جگہوں میں بھیج دیا جائے۔

ان مقاصد اور ان وسائل کے ذریعہ مسلمانوں کی نئی نسلوں پر اپنا اثر و رسوخ قائم کرنے کی یہ روسی کوششیں کسی مزید تشریح کی محتاج نہیں۔ ایک روسی صحافی شارلوٹ سایکوسی کا بیان ہے کہ سوویت یونین نے سوسائٹی کی تجویز کے مطابق بیرون ملک کے اسلام پر کام کرنے والے غیر مسلم ریسرچ اسکالروں میں مفت تقسیم کرنے کے لئے تو قرآن مجید کے نسخے شائع کئے مگر خود روس کے اندر انہیں تقسیم نہیں کیا گیا۔ استاد یوسف فراج لکھتے ہیں:۔

"اسلام کے بارے میں سوویٹ روس کی پالیسی دورخی ہے۔ اندرون ملک مکمل دشمنی اور

بیرون ملک وقتی دوستی، مثلاً تاشقند کے ایک اسلامی ادارہ نے ایک عمدہ کتاب شائع کی جو روس میں اسلام کی زندۂ جاوید یادگاروں کی رنگین تصویروں سے مزین تھی۔ یہ کتاب بیرون ملک کے ممتاز مسلمانوں میں تقسیم کی گئی۔ اس میں ایک مسجد اور مشہور مسلمان احمد یاسفی اور باشلیفان محمد کی قبروں کی تصویریں بھی شامل تھیں۔ لیکن روس نے یہ ذکر نہیں کیا۔ کہ یہ دونوں شاندار عمارتیں اب کمیونسٹوں کے لئے بطور ڈاک بنگلہ استعمال ہو رہی ہیں۔ روس میں پروپیگنڈہ کے لئے جو لٹریچر شائع کیا جاتا ہے وہ بجز چند استثنائی صورتوں کے اکثر روس میں ناپید ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کا ایک نہایت عمدہ ایڈیشن شائع کیا گیا جو غیر ملکوں کے مسلمان فضلاء کے پاس تو بھیجا گیا مگر وہ خود روس میں عنقا ہی رہا (انتصار الاسلام صہ ۴۹)

قرآن مجید کا یہ نسخہ باوجود تلاش بسیار کے ماسکو میں نہیں مل سکا، قرآن مجید کی طباعت واشاعت ماسکو کے پروپیگنڈے کا محض ایک جزو تھا۔ قرآن مجید کے بارے میں روسی مستشرقین کے خیالات کا اندازہ اس قول سے لگایا جا سکتا ہے۔

"قرآن اپنی ترکیب کے لحاظ سے ایک پیچیدہ کتاب ہے جس میں عربوں، یہودیوں، عیسائیوں اور زرتشتیوں کے قصے اور دیومالائی کہانیاں بڑی تعداد میں بیان کی گئی ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ حضرت یوسف، یونس اور عیسیٰ مسیح وغیرہم کے قصے ہی اس کتاب کا بڑا جزو ہیں"

"وارنوگا" یہ ادارہ مطالعات آداب شرقیہ کے شعبہ کے ماتحت ہے۔ یہاں بھی ایشیا کے قصے، کہانیوں، اساطیری روایات اور کلاسیکی ادب پر داد تحقیق دی جاتی ہے۔ اور عربی و اسلامی ادب پر بھی خاص طور پر عنایت کی نظر مرکوز کی گئی ہے۔ لینن گراڈ کے مستشرقین اس ادارہ کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ ۶۴ء کے بعد اس ادارہ نے کئی عربی و فارسی کتابوں کو روسی زبان میں منتقل کیا ہے۔ تونس، الجزائر، مصر، عراق بلکہ تمام عرب ممالک اور ہندوستان افغانستان اور ایران کے اہل قلم کی نئی کتابوں کو جن کا تعلق افسانہ، کہانی اور شاعری سے ہو۔ یہ ادارہ روسی زبان میں منتقل کرتا ہے۔ عرب مصنفوں میں احسان عبدالقدوس اور توفیق الحکیم کی کتابیں خاص طور سے روسی زبان میں منتقل ہوئی ہیں۔ ان کتابوں سے روسی مستشرقین اور استشراق نواز طلبہ نے بڑی رغبت کا اظہار کیا ہے یہاں اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہئے۔ کہ محض ان کتابوں کی علمی و فنی قدر و قیمت ہی ان کی مقبولیت کا سبب نہیں ہوتی۔ بلکہ ان کتابوں کے صفحات کے دریچوں سے جس معاشرہ کی جھلک نظر آتی ہے۔ افراد کے جو خط و خال سامنے آتے ہیں اور قوموں میں ان قصوں، کہانیوں اور اشعار کا جو ناگزیر اثر ہوتا ہے وہ ان مستشرقین کے لئے خام مواد فراہم کرتا ہے۔ اسی پر روسی مطالعہ اور تجزیہ کا دار و مدار ہوتا ہے۔

بیرونی کتابوں کی حوصلہ افزائی یہ ادارہ بیرون ملک کے مصنفین کی ان کتابوں کو بہت اہمیت دیتا ہے جن میں اشتراکیت کی روح جلوہ گر ہو۔ مثال کے طور پر انڈونیشیا کے مارکسی ادیب پرامودیا اننتا تور کی کتابیں شائع ہوتے ہی مکتبوں سے چند مہینوں میں غائب ہو جاتی ہیں۔ اخباروں اور رسالوں میں ان کتابوں کی مقبولیت پر مضامین لکھے جاتے ہیں۔ ایک جائزہ کے مطابق یہ معلوم ہوا کہ روسی دائرۂ اثر کے تحت کام کرنے والا ایک ادارہ مکتبوں سے تمام کتابیں خرید لیتا ہے۔ پھر مؤلف و ناشر کے علم کے بغیر جسے مناسب سمجھتا ہے، ان کتابوں کو بطور ہدیہ پیش کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مؤلف کو اپنی کتابوں کی اس قدر مقبولیت پر فخر ہوتا ہے۔ اور ناشر کو مزید ایڈیشن شائع کرنے کا حوصلہ ملتا ہے۔ اور اس طرح ماسکو کو ادبی و سیاسی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اس قسم کی مثالیں دوسری زبانوں کی مطبوعات مثلاً سریانی، کردی، آرمینی، ترکی، عربی وغیرہ میں بھی ملتی ہیں۔

مسلم ممالک کے موجودہ اور مسلسل بحران پر اگر نظر ڈالی جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ ہر واقعہ اپنے پیش رو واقعہ سے جڑا ہوا ہے۔ اور واقعات کے اس سلسل میں متعلقہ زبانوں کے رسائل اور اخبارات کا بڑا ہاتھ نظر آتا ہے جو قومیت، مقامی تہذیب اور قدیم تمدن کے تازہ خداؤں کی حمد و ثنا کی دعوت دیتے ہیں۔ پاکستان میں بنگالی قومیت اور بنگلہ زبان پر حد سے زیادہ فخر کیا جاتا تھا۔ بالآخر بنگلہ تحریک کے زیر اثر بغاوت پھیلی اور ایک ملک دو نیم ہو گیا۔ عرب دنیا میں ہر عرب ملک اپنے محدود و مختصر خطۂ زمین کے گن گا رہا ہے۔ اور ایک زبان ایک ثقافت اور ایک تمدن ہونے کے باوجود ایک مکمل عربی اکائی کا وجود دشوار نظر آتا ہے۔

جب مسلمانوں میں کوئی رخنہ پیدا ہو یا کسی ترقی پذیر قوم میں کوئی دراڑ پڑ جائے اور یہ رخنے دینی عقائد و مسائل سے متعلق ہوں تو روسی مستشرقین کی نگاہ ان موقعوں کو منتخب کر لیتی ہے اور اپنا اثر دکھانے لگتی ہے۔ ۱۹۵۱ء میں روسی مستشرقین کی ایک کانفرنس میں مستشرق سرکوف نے کہا تھا کہ ہماری حکومت کو چاہیے کہ وہ تیسری دنیا یعنی غیر وابستہ ممالک کے ساتھ اپنے تعلقات کو زیادہ اہمیت دے۔ ظاہر ہے تیسری دنیا کے اکثر ممالک اسلامی ہی ہیں۔ اور ہوا بھی یہی کہ روس نے اپنی ریشہ دوانیوں کے لئے سازگار ماحول اسی تیسری دنیا کا پایا۔

۱۹۶۹ء کی ایک کانفرنس جنوری ۶۹ء میں اکاڈمی آف سائنس کے زیر اہتمام روسی مستشرقین کی ایک اہم کانفرنس ماسکو میں منعقد ہوئی۔ اس کا موضوع 'دینی نفسیات' تھا۔ اس میں عالم نفسیات مستشرق بلاٹونوف نے کہا۔

"تدین (مذہب پرستی) کے نفسیاتی مظاہر میں کسی بھی مظہر کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ یہ فرد کی ذاتیات باہمی کے حتمی نتیجہ کی صورت میں نمو پاتا ہے۔ مذہب کا وجود انسانوں میں خوف کا شعور پرورش کرتا

ہے اور بیکاری یا فرصت واتعیت سے بعید خیالات کی تخلیق کرتی ہے، حالاں کہ خیالات کو پاک کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس شعور سے لاشعور پیدا ہوتا ہے۔ یہ نہایت اہم ہے کہ ان عناصر کا سائنسی تجزیہ کیا جائے۔ تاکہ انسان میں مذہبی شعور کی موجوں کا کامیابی سے مقابلہ کیا جا سکے"

انسان کی طبیعت میں بنیادی مذہبی جذبات کے بارے میں ایک اور ماہر نفسیات مستشرق فو یجیل کہتے ہیں۔

" مذہبی اعتقادات کو ایک ضروری حاجت بنانے میں مذہبی احساسات کا کردار نہایت اہم ہوتا ہے"۔

لینن گراڈ کے ماہر نفسیات یا ڈیجیبن کا قول ہے کہ

" مذہب پرستی کا مظہر انتہائی جذباتیت اور ذہنی فساد کے نتیجہ میں صادر ہوتا ہے"۔

کیف کے مستشرق بی اے لوبونیک کا خیال ہے۔

" مذہبی ذہنیت کا انسان دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ ایک تو عالم طبیعی، دوسرا عالم مافوق الطبعی ایسے انسانوں کی مدد یوں کی جا سکتی ہے کہ اس کے طبیعاتی تصورات کو تقویت دی جائے اور خیالات کی اصلاح کی جائے"

لینن گراڈ کے ایک اور مستشرق ڈی ڈی ابتلکمان کہتے ہیں:-

" بنیادی طور پر ایک غیر مذہبی شخص ماحول کے اثرات سے مذہبی ہو سکتا ہے"

آر بوکین کا اعتقاد ہے کہ

" مذہبی احساسات گرچہ شاذ ہیں لیکن اصل بنیاد یہی ہیں اور انہی پر مذہبی تصورات کی بنیادیں استوار ہیں جو محض وہم اور فریب ہیں۔ چونکہ دینی احساسات کا مقابلہ احساسات ہی سے کیا جا سکتا ہے اس لئے یہ ممکن ہے کہ اس مذہبی شعور کی جگہ دوسرے احساسات کو ترغیب و ترہیب کے ذریعہ بدل دیا جائے"

مسلمانوں کے بارہ میں مستشرق جاکو بنسکی کے مبلغ علم کا اندازہ اس قول سے ہو سکتا ہے۔

" اس دنیا میں لوگ ہمیشہ خدا کے وجود کے معتقد رہے۔ گو اس اعتقاد میں مذہبی روایات وخرافات کا اثر کارفرما رہا۔ مسلمان بھی انہی لکیروں پر چل رہے ہیں جن کو قرآن نے ابھارا ہے۔ ان روایات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ مہینہ بھر جسے وہ رمضان کہتے ہیں کھانے پینے سے باز رہتے ہیں"

مشہور مستشرق کلیمو فینتش جن کا ذکر اوپر بھی آچکا ہے کہتے ہیں:-

" کسی بھی مذہب پرست قوم کی ترقی اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک وہ اپنے مذہبی عقائد کو بالکلیہ نہ ختم کر دے اور انسانیت کو گمراہ کرنے والے اپنے بوسیدہ افکار کو یکسر ترک نہ کر دے۔

مذہب کا خاتمہ ترقی کا تقاضا ہے اور اس لئے یہ کار واجب ہے"

جمال الدین افغانی کی پان اسلام ازم تحریک کے بارہ میں کلیمو فینتش کا خیال ہے کہ

" انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں پان اسلام ازم کی تحریک فکر مشرق میں ظاہر ہوئی۔ یہ تحریک رجعت پسندانہ سیاسی تحریک تھی"

اسلام کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ:

" اسلام کی اپنی خاص تاریخ ہے۔ اس کے عقائد، روایات اور خاص رسم و رواج ہیں۔ اسلام کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ان تاریخی حالات کا مطالعہ کیا جائے جن میں اسلام کی نشو و نما ہوئی۔ عرب سے باہر اسلام کے پھیلنے کی وجہ مسلمانوں کے فوجی حملے اور ان کی فتوحات ہیں۔ ایشیا و افریقہ کے تہذیب یافتہ ممالک کے باشندوں کو غلام بنا لیا جانا بھی اسلام کے پھیلنے کی ایک وجہ ہے۔

عربی فوجوں کے لشکر جب شہروں اور بستیوں پر قبضہ کرتے تو بربادی و پامالی کی جانب جلدی کرتے لوٹ کھسوٹ مقبوضہ علاقوں کے باشندوں کو غلام بنا لینا اور ان باشندوں کی اکثریت کو برباد کر دینا ان کا شیوہ تھا۔ مسلمانوں کا خلیفہ جو ایک بڑی حکومت کا صدر ہوتا تھا اس کی ذات میں دینی، فوجی اور شہری اقتدار اعلیٰ بیک وقت جمع ہو جاتا ـــ اسلام کے کاہنوں (علماء) کا فرض سب سے پہلے یہ ہوتا کہ وہ لوگوں کو خلیفہ کی اطاعت پر آمادہ کریں۔ اور اس طرح وہ کھلے مالی استحصال کے لئے وجہ جواز قائم کرتے جو اس دور میں عام تھا:

چونکہ خلافت کے عہد میں اسلام حکومت کا سرکاری مذہب ہوتا تھا اس لئے حالات خود بخود ان کاہنوں (علماء) کو ممتاز مقام دینے میں معاون ہوتے"

کلیمو فینتش نے اپنی کتاب "اسلام، ماضی اور مستقبل" کو جس کے اقتباسات اوپر پیش کئے گئے اس مشہور فقرہ پر ختم کیا ہے۔ یہ جملہ کتاب مارکس و اینجلز سے نقل کیا گیا ہے۔

" مذہب ایک وہمی سعادت ہے اور حقیقی سعادت کے حصول کے لئے اس کا خاتمہ بہت ضروری ہے۔ مارکس کا قول ہے کہ مذہب ایک تاریخی مظہر ہے جس کی جڑیں طبقاتی معاشرہ میں پیوست ہیں اور پنپتی ہیں"

اس جائزہ کے بعد اس حقیقت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ روسی استشراق اپنے حقیقی رجحانات و مقاصد میں اسلام کے خلاف اعلانیہ اور پیہم برسر پیکار ہے۔